© rasailojaraid.com

ترجمہ و تلخیص

تفسیرِ قرآن میں بعض لغزشیں

★ حسن البناؒ شہید

ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی

تفسیر کا اسلوب مختلف زمانوں میں معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی ارتقاء سے متاثر رہا ہے۔ ابتدا میں اس کا طریقہ بہت آسان اور سادہ تھا۔ صرف چند آیات اور الفاظ اور کچھ واقعات کی تفسیر کی جاتی تھی۔ اس لیے کہ لوگ اپنے عربی ذوق اور لغوی سلیقہ کی وجہ سے (جو ان میں راسخ و متمکن تھا) تفسیر سے بے نیاز تھے اور عملی سنت پر (جس کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کے ساتھ رہ کر مشاہدہ کیا تھا) اکتفا کرتے تھے۔

پھر تفسیر اور قصص کا زمانہ آیا تو اس میں تفسیر کے نام پر منقول روایات اور قصے لکھے گئے۔ ان میں کچھ تو صحیح اور اسباب نزول اور احکام کے واقعات پر مبنی ہوتے تھے اور کچھ اہل کتاب سے منقول قصے ہوتے تھے جن میں رطب و یابس، جو کچھ مفسرین کے علم میں آتا تھا سب جمع کر دیتے تھے۔ اس اسلوب پر جسے تفسیر بالروایۃ یا تفسیر بالماثورہ کہتے ہیں۔ متعدد تفسیریں لکھی گئیں۔ ان میں سب سے عظیم، اہم، دیرپا اور نفع بخش امام محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی تفسیر 'جامع البیان فی تفسیر القرآن' ہے۔

پھر ترجمہ اور فلسفہ کا دور آیا۔ ایران اور یونان کے علوم سے روابط قائم ہوئے۔ مسلم فلاسفہ اور علماء کے درمیان عقیدہ کے بہت سے مباحث اور فقہی معاملات میں اختلاف ہوا۔ چنانچہ تفسیر کی کتابوں میں بھی یہ اسلوب اپنایا گیا۔ ان میں بہت سے فلسفیانہ نظریات بیان کیے گئے آیات کے ذریعہ مختلف عقائدی آراء اور مسالک پر استدلال کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے مفسرین آیات سے ایسی باتوں کا استنباط کرنے کی کوشش کرنے لگے جن سے فروع میں ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ ایسا ہونا طبیعی تھا اور بہت سی تفسیروں کا محرک محض پہلے کی کتابوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا جواب فراہم کرنا تھا۔ یہ چیز فخر الرازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر "مفاتیح الغیب" اور زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر "الکشاف" اور ان جیسی دوسری کتب تفسیر میں بہت واضح طور سے محسوس ہوتی ہے۔ بعض محققین اس اسلوب پر "تفسیر بالمعقول" کا اطلاق کرتے تھے۔

بعض ماہرین لغت نے بھی قرآن کریم کی بہت سی آیات کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی توجہ بلاغت کے نکتوں، لغوی توجیہات اور نحوی استعمالات پر مرکوز رکھی ہے۔ اس کی مثال میں زجاج، واحدی اور ابو حیان اندلسی کی تفسیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ راغب اصفہانی (جو چھٹی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں) کی کتاب المفردات آج تک متداول ہے۔

عصر حاضر کے بہت سے مفسرین کا رجحان سائنسی ترقی کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے اور قرآن نے علوم کائنات کے جن اصول و قوانین اور مظاہر کی طرف اشارہ کیا ہے انھیں بیان کرنے کی طرف ہے۔ جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے اپنی تفسیر "الجواہر" میں کیا ہے۔ اسی طرح کچھ دوسرے مفسرین کی توجہ معاشرتی قوانین، ہدایت کے نفسیاتی اسالیب اور تاریخی تبدیلیوں کے اسباب بیان کرنے اور ان کا قرآن کریم کے ذریعہ استنباط کرنے کی طرف رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو قرآن کے ذریعہ اپنی عظمت و رفعت کو واپس لانے کی تحریک مل سکے اور ان کی معاشرتی زندگی قرآن کی تعلیمات اور قوانین سے مربوط ہو سکے جیسا کہ استاد امام شیخ محمد عبدہ اور ان کے وارث اور شاگرد سید محمد رشید رضا — اللہ دونوں پر رحم کرے — نے اپنی تفسیر "المنار" میں کیا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر کا اسلوب ہر مفسر اور ہر زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا ہے اور ایسا ہونا قدرتی امر تھا۔ مفسرین تفسیر کے ذریعہ وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو وہ کتاب الٰہی سے سمجھتے ہیں۔ ان کا آلۂ فہم ان کی عقلیں ہیں اور مادۂ علم ان کا ماحول اور ان کے زمانہ کے علوم ہوتے ہیں۔ اس لیے لازمی بات ہے کہ اس کا اظہار نمایاں طور پر ان کے رشحات قلم اور آرار میں ہو۔

تفسیر قرآن میں بعض لغزشیں

مختلف ثقافتوں اور ادوار سے متاثر ہونے کے نتیجے میں قرآن کے موضوعات پر لکھتے وقت بعض لوگوں سے لغزشیں سرزد ہو جایا کرتی ہیں اور وہ فہم اور تعبیر میں راہ صواب سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب شرعی، لغوی، دینی اور ادبی مطالعات میں (جو کہ صحت فہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادراکِ مقصد اور وضوح عبارت میں معاون ہوتی ہیں) انھیں مہارت حاصل نہ ہو۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین جب بھی قرآن کے کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو لغت میں کمزوری اور صحیح اسلامی مطالعات پہ عدم قدرت کی وجہ سے دوسروں کے مقابلے میں فاش غلطیاں کرتے ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو ان میں سے آزاد بحث وتحقیق میں مخلص ہوتے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ مخصوص اغراض کے تحت تحقیق کرتے ہیں اور جنھیں ان مطالعات کا حظِ وافر حاصل نہیں ہوتا ان کا کیا حال ہوگا۔؟

بیشتر اوقات ایسے لوگوں سے یہ فاش غلطیاں عبارت آرائی اور اس کے معنیٰ مراد کے اظہار پر عدم قدرت کی صورت میں ہوتی ہیں۔ اس طرح کہ اگر اس معنیٰ کو مزید دقیق اور محکم عبارت میں بیان کیا جاتا تو اس سے کاتب کی غرض وغایت زیادہ واضح ہوتی۔ مقصد کی تکمیل زیادہ بہتر طریقے پر ہوتی اور اس قسم کی تحقیقات کے بیان کرنے میں اور ان کے حق، عقل وسلیم اور راستی کے مطابق ہونے میں جو ادب ملحوظ رہنا چاہیئے اس کی رعایت رہتی۔ یہاں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے موضوعات پر لکھنے والوں سے ہونے والی بعض لغزشوں کا ——— جو قرآن کے مقاصد سے پھیرنے والی ہیں۔ مختصر بیان کر دیا جائے تاکہ ان سے ہوشیار رہا جائے اور عبرت پذیری ہو سکے۔

۱۔ قصص ومعجزات

قرآن کریم انبیاء کے قصے اور ان کے بعض معجزات بیان کرتا ہے تو اس کا مقصد محض واقعات کا استقرار، زمانے کی تعیین، حالات اور ماحول کا بیان، حادثات اور اشخاص کا تذکرہ اور اصطلاحی وفنی معنیٰ میں تاریخی تحقیق وتفتیش مقصود نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت اس کا مقصد ان کے ذریعہ سامعین وقارئین کے نفوس میں عبرت، نصیحت اور ہدایت کی بنیادوں کو راسخ کرنا ہوتا ہے۔ قرآن کریم بہت صراحت سے اپنے اس مقصد کو واضح کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ، مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي	اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (یوسف: ۱۱۱)

ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان کے نزدیک یہ بات بالکل قطعی ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علم تاریخ سے کوئی ایسی حقیقت سامنے نہیں آسکتی جو ان قرآنی قصوں میں سے کسی قصہ کی تفصیلات سے مختلف ہو۔ ہاں یہ تو ممکن ہے کہ قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے ان میں سے کچھ چیزوں تک علم تاریخ اپنے مجرد فنی وسائل کے ذریعہ رسائی حاصل نہ کر سکے۔ اس صورت میں قرآن کریم کا بیان مجرد علم تاریخ کے بیان سے زائد ہوگا اور علم تاریخ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات پر اپنے خاص اسلوب میں کوئی دلیل نہ پائے گا۔ لیکن یہاں اس چیز کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر علم تاریخ کسی چیز کے بارے میں واقفیت رکھنے یا استدلال کرنے سے عاجز ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کا بیان غلط ہے اس لیے کہ کسی چیز کا عدم علم اس کے عدم وجود پر دلیل نہیں ہوا کرتا۔

اس مقام پر بعض لوگوں سے لغزش ہوتی ہے۔ کیونکہ مورخین کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے اور وحی الٰہی کو دین نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی حیثیت تاریخی کتاب کی نہیں ہے کہ مجرد فنی تحقیقات میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ یہ لوگ اپنے اس قول میں معذور ہیں۔ ان سے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ ان کا قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے اور وہ اس کی تصدیق ہی نہیں کرتے ہیں۔ مورخین کی دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے پاس اس کے برحق ہونے کی بھی دلیل ہے۔

اس صورت میں ان لوگوں پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک تاریخی دلائل میں سب سے زیادہ صحیح اور محقق اسے ہونا چاہیے جو اس قرآن میں گزشتہ قوموں اور زمانوں کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ دوسری یہ کہ پہلی قسم کے مورخین جب قرآن کے بیان کردہ کسی واقعہ کو جھٹلانے کی کوشش کریں تو یہ لوگ ان کا جواب دیں اور تاریخی اور فنی اسلوب میں ان کی غلطی پر دلیل قائم کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اس میں انھیں ضرور کامیابی ملے گی۔

لیکن اس قسم کے بعض محققین خود کو پہلی قسم کے مورخین کی صورت میں پیش کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایمانی شخصیت کا لبادہ اتار کر دوسری شخصیت کا روپ دھار لیتے ہیں، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صرف اور صرف مؤرخ ہیں اور ان کے نزدیک دوسری کسی چیز کا اعتبار نہیں۔ اس طرح وہ اپنی پہلی شخصیت کو یکسر فراموش کر کے اور دوسری نئی شخصیت کا لبادہ چڑھا کر بحث و تحقیق کرتے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں اگر بحث و تحقیق کے دوران وہ اپنی ایمانی شخصیت کو مستحضر رکھتے اور مجرّد تحقیق کے بعد قرآن کی تاریخی صداقت پر ایمان کا اظہار کرتے پھر اس کا دفاع کرتے ہوئے علمی اسلوب میں اس کا بہ دلائل اثبات کرتے تو اولاً اپنے ایمان کے سامنے اور ثانیاً لوگوں کے سامنے ان کا عذر ہوتا اور وہ شکر و ثنا کے مستحق ہوتے۔

اس قسم کی لغزش ڈاکٹر طہٰ حسین سے سرزد ہوئی۔ جب انھوں نے ایک مستشرق کے خیالات کو قبول کرتے ہوئے یوں قیاس آرائی کی: "تورات اور انجیل ابراہیمؑ اور اسماعیل علیہم السلام کے بارے میں جو چاہے بیان کرتے رہیں۔ اسی طرح قرآن بھی ان دونوں کے بارے میں جو چاہے بیان کرتا رہا۔ لیکن یہ بات ان کے تاریخی وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے" یہ سن کر لوگ مشتعل ہو گئے اور انھیں ہونا بھی چاہیے۔ اگر ڈاکٹر موصوف اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ "لیکن میں قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے کی حیثیت سے ان دونوں کا تاریخی وجود ثابت کرتا ہوں اگر مجرد تاریخی تحقیق اپنے خاص فنی دلائل کے ساتھ اس مقام تک نہیں پہنچی ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے بارے میں کچھ بھی ثابت کر سکے تو یہ خود اس کی کوتاہی ہے۔ مستقبل میں تاریخی طور پر بھی ان کے حالات منظر عام پر آجائیں گے اور ہمیں وہ کچھ معلوم ہو جائے گا جس سے ہم آج ناواقف ہیں۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ گزشتہ کل کے خیالات آج کے حقائق ہیں اور آج کے خیالات کل کے حقائق ہوں گے۔ کتب سماوی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہمارے ہاتھوں کو رسّی کے ایک سرے پر رکھ دیں آگے تحقیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ مستشرقین میں سے جو بھی اس کا انکار کرتا ہے وہ علم پر زیادتی کرتا ہے۔ عقل کا کسی مسئلہ پر حکم نہ لگا سکنا اس چیز کے محال ہونے کی دلیل نہیں ہے" اگر وہ ایسا کہتے تو ان کی بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی اور وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہوتے اور اس صورت میں ان کی تحقیق میں عصر جدید کے دانش ور کے تجزیہ کے ساتھ قوی مومن کا اعتقاد بھی شامل ہوتا تو ان کی بات کو لے کر لوگ ان کے خلاف محاذ آرائی نہ کرتے۔

اسی طرح ایک دوسرے مؤلف جنھوں نے "الفن القصص فی القرآن" تصنیف کی ہے۔ انھوں نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔ انھوں نے تاریخ سے مربوط ادبی میدان میں موشگافیاں کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا کہ: "خالص ادیب کے نزدیک فنی پہلو کی رعایت قصہ کی سچائی اور واقعہ کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔" یہاں تک تو ان کی یہ بات صحیح تھی۔ یہی نہیں بلکہ ادیب کا فن بیشتر اوقات سچے اور حقیقی واقعات کو بیان کرنے سے زیادہ ذہن کے اختراع کردہ واقعات اور خیالی قصوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ صرف نظر اس کے کہ فن تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والوں اور نفسیات کے ماہرین نے اشخاص کی فکری اور نفسیاتی نشوونما کے سلسلے میں اس اسلوب کو خطرناک اور مضر قرار دیا ہے لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو دوسرے تمام اعتبارات سے الگ کر کے خالصًا ادیب کی حیثیت سے پیش کیا اور قرآن کو دوسرے تمام اعتبارات سے منزّہ کر کے ادب کی کتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "اس میں بیان کردہ قصوں کی سچائی اور ان کے حقائق اور تاریخ سے مطابق یا مخالف ہونے سے صرف نظر کر کے صرف اس کے اسلوب میں غور کرنا چاہیئے۔" اگر وہ کہتے کہ " اس طرزِ تحقیق کے ذریعہ وہ کتاب اللہ کے فنی پہلو کی بلندی اور گہرائی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم پر ایمان لانے والے کی حیثیت سے انھیں یقین ہے کہ قرآن میں بیان ہونے والے تمام واقعات حتمی طور پر تاریخی حقائق ہیں۔ اس سے یقینًا تصویر کشی کے روعت و حسن اور فن کی دقت و باریکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (النمل: ۸۸)	یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔

اگر وہ ایسا کہتے تو خود بھی آرام میں رہتے اور دوسروں کو بھی پریشان نہ کرتے اور اپنے آپ سے اور اپنے قارئین کی جانب سے ان تمام پہلوؤں میں ضلالت و گمراہی کے الزام کو دفع کر دیتے۔

یہ تو قرآن کے قصوں اور اس میں بیان شدہ تاریخی واقعات کے سلسلہ میں تاریخ اور ادب کے پہلو سے ہے۔ رہے معجزات اور وہ عجیب و غریب واقعات جو معروف اور عام طریقے پر اور فطری قوانین کے مطابق مذکور نہیں ہوئے ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کا قصہ یا اس شخص کا قصہ جو ایک دفعہ ایسی بستی سے گزر رہا تھا جو تباہ و برباد تھی تو یہ ایک مستقل بحث ہے۔ جس پر کبھی آئندہ بحث کی جائے گی۔

۲۔ علوم کائنات

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کا نزول ہیئت، طب، فلکیات، زراعت یا صنعت کی کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے جو بنیادی معاشرتی طریقوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اگر لوگ ان پر عمل کریں تو دنیا میں بھی کامیاب رہیں گے اور آخرت میں بھی فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔ قرآن کریم کائناتی علوم اور موجود کے مادی اور طبیعیاتی مظاہر کو صرف اسی قدر پیش کرتا ہے جو خالق کی عظمت پر ایمان میں مددگار ہو اور اس کی عجیب وغریب تخلیق اور کاریگری اور کائنات میں نوع انسانی کے لیے پوشیدہ منافع اور فوائد کو آشکار کرے تاکہ ان کے ذریعہ وہ لوگ زمین، آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں سے استفادہ کرنے کے طریقے جان سکیں۔ اس کے بعد عقل انسانی کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اس وجود کے قوانین کو آشکار کرنے اور اس میں پوشیدہ طاقتوں اور منافع سے استفادہ کرنے کی کوشش اور محنت کرے۔ قرآن نے اس پر ابھارنے کے ساتھ ساتھ اسے سب سے افضل عبادت اور اعلیٰ قسم کا ذکر قرار دیا ہے:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یونس: ۱۰۱)

ان سے کہو " زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو"

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥ (آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔"

قدیم اور جدید دور کے بہت سے مؤلفین اور مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن میں علوم کائنات کے تمام اصول ومبادی بیان کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کوشش کی ہے کہ ان علوم کی جتنی معلومات لوگوں کو حاصل ہیں ان کے مطابق خلق وتکوین کی آیات کی تطبیق کے ذریعہ قرآن سے وہ اصول مستنبط کریں۔ اس قسم کے لوگوں میں سے زمانہ قدیم میں امام غزالیؒ ہیں جنھوں نے "جواہر القرآن" تصنیف کی ہے اور ... شیخ طنطاوی جوہری مؤلف "الجواہر فی تفسیر القرآن"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ڈاکٹر عبدالعزیز اسماعیل مؤلف "القرآن والطب" وغیرہ ہیں۔ یقیناً یہ ایک قابل ستائش کوشش ہے لیکن اپنے آپ کو ایسی چیز کا مکلف کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا ہے۔ اس طرح بیشتر اوقات تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور قرآن ہدایت اور معاشرتی اصلاح کے لیے اور لوگوں کے دلوں اور معاشرہ میں ان کی بنیادیں راسخ کرنے کے جس مقصد سے نازل ہوا تھا اس سے تجاوز لازم آتا ہے۔ اس طرح کتاب اللہ کے معانی میں اختلافِ آراء علمی اور سائنسی اصولوں میں تضاد اور علماء کے اقوال میں تعارض رونما ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ شاطبی نے اپنی کتاب "الموافقات" (جلد دوم) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دقت و باریکی کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "قرآن میں ان علوم میں سے کسی کو بھی بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں ایسے علوم ہیں جو علوم عرب کی جنس سے ہیں۔ اور ایسی معلومات پر مبنی علوم بھی ہیں جن پر اہل عقل تعجب کرتے ہیں — صحیح نہیں ہے۔"

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن نے بہت سے کائناتی مظاہر کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کی پیدائش، زمین و آسمان کی تخلیق، سورج اور چاند کی گردش، ستاروں اور افلاک کی تسخیر، بادلوں کا تہہ در تہہ ہونا اور بارش، بجلی کی کڑک اور چمک، نباتات کا نمو اور ان کی مختلف قسمیں سمندروں کے عجائبات، راستوں کے نشانات، زمین میں جمے ہوئے پہاڑ، ماؤں کے پیٹوں میں تخلیقِ جنین کے مراحل اور دیگر ان مظاہر کا تذکرہ کیا ہے جنھیں علمائے کائنات نے بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ اپنی توجہات مرکوز کی ہیں اور تجربات کیے ہیں۔

اکثر اس قسم کی آیات کے اختتام پر قرآن عقل سے کام لینے، غور و فکر کرنے اور "تدبر و تفکر" کرنے پر ابھارتا ہے۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کریم ان مظاہر کو پیش کر کے محض ان علوم کے اصول و مبادی متعین کرنا یا ان کے فروع بیان کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا مقصود ہدایت اور خالق کی عظمت اور مخلوق کے فائدہ پر دلالت کرنے والی چیزوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرتا ہے۔

لیکن جو چیز محل نزاع نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ قرآن جب ان کائناتی نوامیس اور مادی مظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس کا بیان دقیق تعبیر اور سچی تصویر کشی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ ممکن نہیں کہ اس کا ٹکراؤ مختلف مراحل میں عقل انسانی کی انکشاف کردہ چیزوں یعنی ان علوم کے حقائق اور طے شدہ چیزوں سے ہو۔ خاص طور پر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سائنسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس پر بیّن دلائل اور بکثرت حجتیں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قریب قریب بدیہیات میں سے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو ابھی علمی و سائنسی بحث و تحقیق کے مرحلے میں ہیں۔ علوم کائنات سے دلچسپی رکھنے والے سائنس دانوں کے پیش نظر جو کچھ ہے وہ محض مفروضات ہیں جن کی تائید بعض ایسے قرائن سے ہوتی ہے جو ابھی قطعی دلائل اور اطمینان بخش اور ثابت شدہ حجتوں کے درجے تک نہیں پہنچی ہیں۔ جہاں تک ان میں سے پہلی قسم کا تعلق ہے وہ قرآنی بیان کے مکمل موافق اور عین مطابق ہیں۔ ایسی چیزوں کے بارے میں یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کتاب الٰہی کا اعجاز ہے جو ایک ایسے امّی پر نازل ہوئی جس نے نہ تو کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی نہ کسی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس قسم کی مثالوں میں سے جنین کے مراحل ہواؤں کے بادلوں کو لے جانے، بادلوں کے بننے اور ہواؤں سے اس کے تعلق وغیرہ کے سلسلہ میں قرآن کے اشارات ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو یہ زیادتی اور انکارِ حقیقت کے مترادف ہوگا کہ اس کے اور قرآن کریم کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ اس کے لیے ہمیں انتظار کرنا چاہیے یہاں تک کہ علم کائنات کو کسی بات پر استقرار حاصل ہو جائے اور عقل انسانی کسی نتیجہ بحث پر ایمان لے آئے۔ اس وقت ہم ایمان کی روشنی میں قرآنی نص کو دیکھیں گے اور اس وقت یہ پائیں گے کہ دونوں حقیقت کے اصولوں کو ثابت کرنے میں باہم معاون ہوں گے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (حٰم السجدہ: ۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔

اس قبیل سے انسانی کی نشوونما، حقیقتِ زندگی، ابتدائے آفرینش، زمین کا آسمان سے تعلق وغیرہ ہیں۔

اس کے باوجود قرآن کا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ اس قسم کے مقامات پر وہ عبارت کی لچک اور دقت و باریکی کے ساتھ عجیب و غریب اور معجزانہ طریقے پر ایسی تعبیر استعمال کرتا ہے کہ ہر زمان و مکان میں عقل انسانی کے ارتقاء کا ساتھ دیتا ہے۔ اس نے اس مادی دنیا کی انتہا کا جو نقشہ کھینچا ہے اور قیامت اور اس کے آثار کی جو تصویر کشی کی ہے اس میں تو عجیب انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کیا ہے۔

یہاں بھی لغزش ہوتی ہے۔ چنانچہ ان موضوعات پر لکھنے اور غور کرنے والے بہت سے لوگ ان موضوعات پر لکھتے اور غور کرتے وقت ان علمی اور سائنسی مفروضات کی صحت پر ایمان محکم لے آتے ہیں اور ان کو ایسے بدیہی طے شدہ حقائق سمجھ لیتے ہیں جو باطل نہیں ہو سکتے۔ اس غلطی کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کے نصوص، اس کی عبارتوں کی لطیف ترکیبوں اور الفاظ کی وضع کے اسرار میں غور و فکر کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ چنانچہ کبھی حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور کبھی تکذیب کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً ان کے نزدیک چونکہ ''ڈارون'' نے یہ کہہ دیا تھا کہ انسان یقینی طور پر دوسرے حیوان سے بنا ہے۔ اس لیے قرآن کا یہ بیان صحیح نہیں کہ وہ ''مٹی'' یا ''کھنکتی ہوئی مٹی جیسے گارے'' سے بنا ہے تاکہ اس کا بیان سائنسی انکشافات و تحقیقات سے نہ ٹکرائے۔ اس وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انھیں نہ ڈارون کے نظریے کا علم ہے اور نہ ڈارون کے نظریہ کا ابطال اور تردید کرنے والوں کی تحریریں ان کی نظر سے گزری ہیں اسی طرح وہ قرآن کی درج ذیل تصریحات کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (السجدہ: ۷-۹)	جس نے جو چیز بھی بنائی خوب ہی بنائی، اور انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان، آنکھیں اور دل دیے تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔
مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا (نوح: ۱۳-۱۴)	تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمھیں بنایا ہے۔

حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ ان آیاتِ کریمہ کے مکمل برحق ہونے کو تسلیم کر لیں۔ پھر اس وقت کا انتظار کریں جب لوگوں کا علم قرآنی بیان کی تردید کرے گا۔ اس وقت وہ پائیں گے کہ ''انسان کو علم کی انتہائی قلیل مقدار ہی عطا کی گئی ہے (الاسراء: ۸۵) اور اللہ تعالیٰ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملہ ہی غالب رہتا ہے۔ (یوسف: ۲۱)

۲۔ سمعیات اور صفات باری تعالیٰ

اسی سے ملتے جلتے قرآن کے وہ بیانات بھی ہیں جنھیں اصطلاح میں "سمعیات" (سماعی چیزیں) کہا جاتا ہے۔ مثلاً جن، ملائکہ، حالاتِ موت وقبر، بعث بعد الموت، جنت وجہنّم اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات وغیرہ، قرآن کریم نے ان موضوعات پر بہت تفصیل اور وضاحت سے بحث کی ہے۔ مثلاً جن کا تذکرہ اس نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔ انھیں فقہ، فہم اور ایمان سے متصف کیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ اتنی قوت وطاقت کے مالک ہوتے ہیں جتنی انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس نے ملائکہ کا تذکرہ کیا ہے اور بہت سی آیات میں ان کے متعدد اوصاف بیان کیے ہیں۔ اسی طرح موت اور اس کے احوال اور اس کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، میدانِ حشر میں جمع ہونے، حساب و کتاب ہونے اور سزا وجزا ملنے کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۷-۸)	پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اسی طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی ہیں اور اسے تمام کمالات سے متصف اور نقص کے تمام اوصاف سے منزّہ کیا ہے اور مخلوقات سے اس کی مشابہت و مماثلت کی نفی کی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ	کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ: ۱۱)	وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۴)	اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے اور اس کا ہاتھ، چہرہ، آنکھ اور دوسرے حواس ہونے کا بیان ہے۔

یقیناً قرآن نے اس غیر مادی دنیا کے جو احوال اور ذات باری کی جو صفات بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام مادہ کے قوانین کے حدود اور مادی دنیا کے قواعد میں داخل نہیں ہیں۔ عقلِ انسانی خود مادہ کے اطراف میں پوشیدہ تمام قوتوں اور اسرار کے ادراک سے آج تک عاجز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو اس سے ماورا حقیقتوں کا ادراک کیوں کر کر سکتی ہے ؟!

عام طور پر یہاں بھی لغزش ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے ان معانی میں غور و فکر کرنے والے بہت سے لوگوں پر شاق گزرتا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو تسلیم کر لیں جس کی حقیقت تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو سکی ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جن کون ہیں ؟ جن کی حقیقت ہم سے پوشیدہ ہے ؟ یہ ملائکہ کون ہیں جن کی کنہ تک ہم نہیں پہنچ سکتے ؟ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا کیا مطلب ہے جبکہ ہمارے مادی عناصر گھل کر اپنے اولین عناصر میں تبدیل ہو جاتے ہیں ؟ یہ روحیں کیا ہوتی ہیں جن کے ہمارے جسموں میں موجود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے جبکہ ہمیں اپنے جسموں میں صرف مادی عوامل کے تصرفات کا احساس ہوتا ہے ؟ ٹھنڈک سے ہمیں اذیت پہنچتی ہے۔ گرمی سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ زہر ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔ کھانا کھانے سے ہمیں تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہوا سے ہمیں نشاط و سرور ملتا ہے اور یہ تمام چیزیں مادی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس تنگ نقطۂ نظر کے سامنے وہ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض ان تمام عقائد کا انکار کر دیتے ہیں۔ بعض تکلف کے ساتھ دور دراز تاویل کر لیتے ہیں اور حقیقت کا انکار کرتے ہوئے انھیں تمثیل یا تخئیل قرار دیتے ہیں یہ دونوں قسم کے لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور گمراہ ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف سے کام لیتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ عالم انسانی کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جس حقیقت تک اس کا علم نہ پہنچا ہو اس کے سلسلے میں اپنی عاجزی اور کوتاہی کا اعتراف کرے۔ عقل انسانی نے آج تک اس کائنات کے اسرار میں سے جتنی چیزیں دریافت کی ہیں وہ اُن چیزوں کی بہ نسبت جن کا انکشاف ابھی نہیں ہو سکا ہے انتہائی معمولی اور حقیر ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی حیثیت اتھاہ سمندر میں چھوٹے سے جزیرہ کی بھی نہیں ہے۔ علوم کائنات کے ماہرین نے اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ اعتراف کیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے اعترافات عنقریب ہماری نگاہوں سے گزریں گے۔ مثلاً ان میں سے بعض کہتے ہیں : " عہد حاضر کے سائنس داں کے خصائص میں سے یہ ہے کہ وہ متواضع اور جری ہو۔ متواضع اس لیے کہ وہ اس کائنات کے اسرار میں سے اب تک کسی قابل ذکر چیز کا انکشاف نہیں کر سکا ہے اور جری اس لیے کہ اس کے سامنے پردۂ خفا میں جو بے شمار چیزیں ہیں ان میں سے بعض کا انکشاف کرنے کے لیے جرأت کی ضرورت ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے اس قسم کی سمعیات کی تکذیب محض اس بنا پر کہ وہ دائرۂ امکان میں ہونے کے باوجود انسانی حواس سے ماوراء ہیں۔ ظلم عظیم اور کھلی گمراہی ہے اور ان کی بے جا تاویل صریح تکلف ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ حقیقت کی تصویر کشی میں تکلف کے بغیر ان سمعیات پر ایمان لانا ہی صراط مستقیم ہے۔ البتہ ان کے سلسلہ میں بعض کتابوں یا ذہنوں میں جو خرافاتی تصویریں خیالی قصے یا افسانوی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں نہ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ ان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی چیزوں کو کچھ اہمیت نہ دے اور ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرے۔

بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ان معانی کو دوسرے ایسے متشککین کے ذہنوں میں پہنچا دیں جن کے دل نور ایمان سے خالی ہیں۔ چنانچہ وہ الفاظ میں تصرف اور غلط تصویر کشی سے کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ اگر ایسا کریں تو ان متشککین کے سامنے صراحت کے ساتھ وہ چیزیں بھی بیان کر دیں جس سے اس کائنات کے بارے میں قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق کا اظہار ہو اور وہ وسطِ راہ میں رہ جاتے یا چھوڑ دینے کے بجائے افہام وتفہیم اور تقریب کا پہلا قدم اٹھائیں۔

اسلامی تحقیقات میں یہ تصویر کوئی نئی نہیں ہے۔ بلکہ جب سے فلسفہ کو اسلامی علوم میں شامل کیا گیا اس وقت سے آج تک اس کی بارہا تکرار ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جس کے سینے کو ایمان کے لیے کھول دے وہی اپنے رب کے نور میں رہتا ہے۔

ادارۂ تحقیق مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف "عورت اور اسلام" کا انگریزی ترجمہ

WOMAN AND ISLAM

کے عنوان سے پیش کر رہا ہے۔ تحقیقات اسلامی کا سائز صفحات ۱۰۴۔ قیمت -/۲۵ روپے
اس کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ناشر: ادارۂ تحقیق، پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com